۲۲ جون ۱۹۷۰ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۲۹ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۲۴

اس شمارے میں

آل احمد سرور

میں نے امریکہ کو کیسا پایا؟

(۳)

امریکہ میں کتب خانے اور میوزیم بڑے شاندار ہیں۔ یونیورسٹی کے کتب خانوں کو چھوڑیے، شہروں کی پبلک لائبریریاں یہاں کی بڑی بڑی لائبریریوں سے بڑی ہیں۔ میوزیم ایسے ہیں کہ دیکھ کر آنکھیں کھل جائیں، شکاگو میں میں نے تین میوزیم دیکھے ایک نیچرل ہسٹری کا جس میں وسطی امریکہ اور جنوبی امریکہ کی قدیم آبادی کے آثار بڑی محنت اور کوشش سے جمع کیے گئے ہیں، دوسرا سائنس اور صنعت کا، جس میں سائنس کے ہر شعبے اور صنعت کے ہر گوشے کے متعلق ماڈل، معلومات، چارٹ اور نقشے ہیں، تیسرا جدید آرٹ کا جس میں یورپ اور امریکہ کے مشہور فن کاروں کی اصلی تصویریں بڑی تعداد میں موجود ہیں جب میں نے اس میوزیم کی اپنے ایک دوست سے جو عرصے سے امریکہ میں مقیم ہیں بہت تعریف کی تو وہ کہنے لگے کہ یہ سب پیسے کا کھیل ہے، بات غلط نہیں ہے۔ یہ تصویریں مختلف لوگوں نے بڑی بڑی رقمیں دے کر خریدی ہیں اور انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے میوزیم کو دے دی ہیں۔ مگر یہ بھی تو ملحوظ رکھنا ہے کہ فن کی سرپرستی کس طرح کی گئی ہے اور کس طرح دنیا بھر کی فنکاری، لوگوں کی نظر، شخصیت اور تخلیقی صلاحیت کو اُجاگر کرنے کے لئے مہیا کر دی گئی ہے۔ میں نے ہر میوزیم میں بڑی تعداد میں بچوں کو دیکھا جو نوٹ لے رہے تھے۔ انہیں اپنے اسکول میں ان چیزوں پر رپورٹ دینی ہوتی ہے، گویا میوزیم تعلیم کا ایک جزو ہیں۔

امریکہ کے لوگوں میں آج بھی صنعت کے کمالات سے گہرا لگاؤ ہے۔ ان کے پیچھے وقت کو بچانے کا جذبہ خاص طور پر کام کرتا ہے۔ اشتہار کو ان لوگوں نے فن بنا دیا ہے۔ ٹی۔وی پر ایک اشتہار اکثر دکھایا جاتا تھا۔ ایک شخص کو زکام ہے کھانسی ہے۔ وہ پہلے ایک شیشی سامنے کی جیب میں رکھتا ہے۔ اسے یہ جگہ اچھی نہیں لگتی وہاں سے نکال کر پتلون کی جیب میں ٹھونستا ہے۔ یہ جیب اسے بہت بھاری معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد آخر اس جیب میں رکھ لیتا ہے جو کولہے پر ہے۔ اس سے مطمئن ہو کر وہ گولیوں کا ایک پیکٹ پھاڑتا ہے۔ ایک گولی منہ میں رکھتا ہے۔ مزا لیتا ہے۔ باقی گولیاں سامنے کی جیب میں ڈال دیتا ہے اور خوش خوش اپنا راستہ لیتا ہے۔ اس اشتہار کو دیکھ کر میں نے بھی وہ دوا خریدی۔ ایک دوسرا اشتہار برمودا کے جزیروں کے منظر کا تھا۔ سمندر کی لہریں، ایک طلسمی جال سا بُن رہی ہیں، دوسرے منظر میں ورزش کی وردی میں وہی ڈیزائن ہے۔ اب ایسی رنگ برنگ وردی خریدنے کو کس کا دل نہ چاہے گا۔ ایک اشتہار برف کے کھیلوں کا تھا جس میں برف کے مختلف منظر دکھائے

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

فی کاپی: ۱۵ پیسے
قیمت سالانہ: ۵ روپے

گئے تھے یہاں تک کہ تعریف کرنے والا اچانک برف میں دھنس جاتا ہے۔ ایک دفعہ اشتہار میں اچھا خاصا مکالمہ تھا جس میں ایک آدمی ایک بام کی دوائی کی تعریف کرتا ہے، دوسرا کہتا ہے یہ نسخہ فلاں کمپنی سے چرایا گیا ہے۔ پہلا اپنی خصوصیت بیان کرتا ہے، دوسرا اسے چھیڑتا ہے۔ اشتہاروں میں لوگوں کی نفسیات سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ محض خطابت یا قصیدہ خوانی نہیں ہوتی۔ بعض میں صرف اعداد و شمار کا رعب ڈالا جاتا ہے۔ اس نے خیال کو فروخت کرنے (TO SELL AN IDEA) کا محاورہ بن گیا ہے۔ بِک گیا کے معنی میں قائل ہوگیا۔ چونکہ ڈاکٹر اور علاج دونوں مہنگے ہیں اور چونکہ سر کے درد کی شکایت یا بے خوابی کی شکایت عام ہے اس لئے زیادہ تر اشتہارات یا تو دواؤں کے ہیں یا عورتوں کے سامان آرائش کے۔ ٹی وی اتنا مقبول ہے کہ ٹی۔ وی کے فنکار اچھے خاصے ہیرو ہیں۔ ان میں مزاحیہ کردار خاص طور سے پسند کئے جاتے ہیں اور مختلف شعبوں کے ماہرین یا مشہور لوگوں سے انٹرویو بھی مقبول ہوتے ہیں۔ سیاہ فام فنکار بھی خاصے مقبول ہیں۔ شکاگو کے ٹیلی وژن میں ایک CHANNEL تعلیمی ہے۔ یہ بہت اچھا ہے۔ اس میں جدید ترین ڈرامے، مشہور مصنفین کی کتابوں پر تبصرے، مصنفین کے انٹرویو، سیاسی اور تہذیبی مسائل پر مباحثے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عام طور پر اچھی فلمیں بھی ٹی۔ وی پر دکھائی جاتی ہیں ہر بڑے شہر کا اپنا ٹی۔ وی۔ اسٹیشن ہے اور اس کا خاص پروگرام خبروں کے کئی دور ہوتے ہیں۔ موسم کی خبروں کی خاص اہمیت ہے اور یہ خبریں عام طور پر صحیح پیشین گوئی کرتی ہیں۔ خبروں کے بعد بعض مبصر حالات حاضرہ پر تبصرہ بھی کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک لین اوکانر (LEN OCONNER) کو میری بیوی منمنا کہا کرتی تھیں کیونکہ یہ ناک میں بولتا تھا اور اپنا نام آخر میں اس طرح بتاتا تھا گویا یہ نام بھی تقریر کا جزو ہے۔ ایک دفعہ اخباروں میں نائب صدر اسپیرو اگنیو (SPIRO AGNEW) کا ایک بیان کچھ اخباروں اور ٹی۔ وی کے مبصروں کے خلاف نکلا تھا جس میں نائب صدر نے آخر میں کہا تھا کہ یہ لوگ اپنے کو کیا سمجھتے ہیں۔ جملے کا لطف انگریزی میں ہے (WHO THE HELL THEY THINK THEY ONE?)۔ اوکانر نے اس پر تنقید کی اور آخر میں نائب صدر سے یہی سوال کیا کہ وہ اپنے کو کیا سمجھتے ہیں؟ صدر نکسن اور نائب صدر کا بعض اخبار اور ٹی۔ وی کے مبصر جس طرح مذاق اڑاتے تھے وہ حیرت انگیز چیز تھی۔ پھر یہ اخبار والے کسی چیز کو راز نہیں سمجھتے بلکہ ہر نقاب کو اٹھانا اور ہر راز کو فاش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ نوجوانوں کی بغاوت۔ عورتوں کی ہر معاملے میں مساوات کی جدوجہد، حمل ختم کرنے کا جواز، فضا کی گندگی، ویت نام، ہاؤسنگ کے مسائل، بڑے شہروں کی زندگی، مغربی ایشیا۔ بلیک پینتھرس (BLACK PANTHERS)، یونیورسٹی کی تعلیم کے مقاصد پر اکثر گرم گرم مباحثے ہوتے ہیں۔ اخباروں میں زیادہ تر اشتہارات ہوتے ہیں۔ اتوار کا ایڈیشن تو اچھی خاصی کتاب ہوتا ہے۔ نیویارک ٹائمس سب سے اچھا اخبار ہے۔ اس کا اتوار کا ایڈیشن کبھی کبھار چار سو صفحے کا ہوتا ہے۔ عام طور پر لوگ اپنی دلچسپی کے حصے لے لیتے ہیں باقی پھینک دیتے ہیں۔ میں نے امریکہ کے اخباروں میں خاص بات یہ دیکھی کہ عام طور پر نامہ نگاروں یا خاص نمائندوں کے مراسلے زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح خبریں ایک خاص نقطۂ نظر اور ایک شخصی انداز سے بیان کی جاتی ہیں تمام اچھے اخبار ایک میگزین بھی نکالتے ہیں جس میں نئی کتابوں پر تبصروں کے علاوہ علمی و ادبی مضمون بھی ہوتے ہیں۔ پہلے نیویارک ٹائمس کا ادبی میگزین نیویارک ٹائمس بک ریویو خاصا معیاری ہوتا تھا، مگر اب کئی سال سے نیویارک ریویو آف بکس اس سے بہت بہتر نکلتا ہے۔ اس میں یورپ اور امریکہ کے چوٹی کے لکھنے والے کتابوں پر طویل تبصرے لکھتے ہیں اور ان کے ساتھ بڑے اچھے کارٹون بھی ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک نیویارک ریویو آف بکس ٹائمس لٹریری سپلیمنٹ سے بہتر پرچہ ہے مجموعی طور پر اسے لبرل کہا جاسکتا ہے اور یہ نئے میلانات کی اکثر عکاسی کرتا ہے۔

(باقی)

● مردم شماری کا ابتدائی کام شروع ہوگیا ہے۔ مکانوں پر نمبر لگ گئے ہیں۔ آپ یہ دیکھئے کہ آپ کے مکان پر نمبر لگایا گیا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں لگا ہے تو اپنی انجمن کی شاخ کے نمائندوں کے ذریعہ سے ضلع کے حکام کو مطلع کیجئے۔ مردم شماری کے کارکن صرف ان مکانوں پر اندراجات کے لئے آئیں گے جن پر نمبر لگا ہے۔

● اپنے حلقے میں ہر شخص کو مردم شماری کے سلسلے میں اس کا فرض یاد دلائیے۔

دیویندر پرشاد سکسینہ

حضرت منوؔر لکھنوی کی یاد میں

کالیستھوں کو اردو ادب کی خدمات میں خاص امتیاز حاصل رہا ہے اور دورِ جدید میں رگھوپتی سہائے فراق، شام موہن لال، جگر بریلوی، ڈاکٹر منوہر سہائے انور، گوپی ناتھ امن اور بشیشور پرشاد منوؔر لکھنوی کی ادبی خدمات کو اگر اردو کا کوئی ادبی مورخ فراموش کرنے کی کوشش کرے گا تو یہ ایک ادبی جرم ہوگا۔ منوؔر صاحب جن کا ابھی حال میں سورگباش ہوا ہے منشی دوارکا پرشاد افق کے فرزند اور منشی نوبت رائے نظر کے شاگرد رشید تھے ان کا شمار ہمارے اساتذۂ سخن میں ہوتا تھا اور اردو کی کلاسیکل شاعری کی آبرو ان سے قائم تھی منوؔر صاحب کا ذکر اردو ادب کی کسی تاریخ میں نہیں ملتا لیکن حضرت جگر بریلوی نے "یادگارِ داں" اور "جدید تغزل" میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

منوؔر صاحب سے میری سب سے پہلی ملاقات ۴ر جنوری ۱۹۴۱ء کو حضرت جگر بریلوی کے دولت کدہ پر بریلی میں ہوئی تھی اور پہلی ہی ملاقات میں میں ان سے متاثر ہوا تھا اور اسی موقع پر منوؔر صاحب نے ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کی تاریخ ادب اردو کے سلسلے میں جگر صاحب سے تبادلۂ خیال کیا تھا اس موقع پر میں نے کہا تھا کہ سکسینہ صاحب کی پہلی کتاب اے ہسٹری آف اردو لٹریچر ملک میں اور باہر بہت مقبول ہوئی۔ بیرونِ ملک اردو کو روشناس بلکہ مقبول کرانے میں اس کا بہت حصہ ہے لیکن جہاں اردو کو اس سے فائدہ ہوا وہاں اس کی حیثیت کو بڑا نقصان بھی پہنچا وہ یہ کہ اس کتاب سے اس حقیقت کی نفی ہوتی ہے کہ اردو کی تخلیق تشکیل ترقی و ترویج میں ہندوؤں کی ادبی خدمات بھی اتنی ہی گرانقدر اور وسیع ہیں جتنی دوسری قوموں کی۔

منوؔر صاحب کو ہمارے ادبی مورخ ایک مترجم کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن اردو کے ادبی حلقوں میں ایک غزل گو شاعر کی حیثیت سے بھی ان کا ایک مرتبہ تھا۔ لکھنوی ہوتے ہوئے ان کی غزل لکھنوی رنگ سے بالکل پاک ہے ان کی غزل کا رنگ کلاسیکل ہے۔ ان کی غزلیات کے دو انتخاب "نوائے ظفر" اور "نوائے کفر" شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی غزل کا ایک انتخاب ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے کیا تھا جو "تین شاعر" نامی کتاب میں شامل ہے۔ حضرت جگر بریلوی "جدید تغزل" میں آپ کی غزل کے سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

"کلام میں شاعری کی تمام خوبیوں کا نہایت معتدل امتزاج ہے ولولہ انگیزی نہیں ہے مگر تاثیر ہے جوش و خروش نہیں ہے مگر زور اور روانی ہے جذبات میں شدت اور ترپ نہیں ہے لطافت اور پاکیزگی ہے۔ طرزِ ادا میں ایک ہموار نرمی شیرینی اور خوش آہنگی ہے جو کچھ دیکھتے سوچتے اور محسوس کرتے ہیں وہی لکھتے ہیں جس رنگ کے لئے لکھنؤ بدنام ہے وہ آپ کے یہاں کہیں نہیں چونکہ تخیلات مذہبی مقاصدِ حیات کے تابع ہیں اس لئے کلام اخلاقیات اور روحانیات کی طرف رہنمائی کرتا ہے یہی آپ کا خاص رنگ ہے جسے میں نے بہت اختصار کے ساتھ ظاہر کیا ہے اس رنگ کے لئے لازم ہے کہ خوش الفاظ سبک اور چست ہو ترکیبیں مترنم اور ملائم ہوں تشبیہیں اور استعارے پاکیزہ اور دلکش ہوں وہ ہیں اور نمایاں حیثیت سے ہیں۔"

بعض حضرات اردو پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کے ادب میں ہندو کلچر نہیں ہے ان کو منوؔر صاحب کی منظومات کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ منوؔر صاحب نے ہندو کلچر کے سلسلے میں اتنا منظوم لٹریچر ہماری زبان کو دیا ہے کہ ان کی ادبی خدمات کو ہم فراموش نہیں کر سکتے۔ اگر منوؔر صاحب کی کرشن بھگتی اور رام بھگتی کے سلسلے میں منظومات کا انتخاب کیا جائے تو دو سو صفحات کی ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے جو ہندو کلچر کی نمائندگی کرے گی اور یہ ثابت کر دے گی کہ اردو میں ہندو کلچر ہے۔ منوؔر صاحب نے کالی داس کی مشہور نظم "میگھ دوت" کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ شکنتلا کا بھی ترجمہ نثر اور نظم دونوں میں ایک ساتھ پیش کیا تھا۔ کالی داس جس مرتبہ کا شاعر تھا اس نے کسی معمولی شاعر کا کام نہ تھا کہ وہ ان دونوں کتابوں کا ترجمہ کرتا۔ منوؔر صاحب ان دونوں کتابوں کے ترجمہ میں اس قدر کامیاب ہوئے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ منوؔر صاحب کی یہ دونوں کتابیں اردو ادب میں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

اردو میں گیتا کے دس منظوم ترجمے میری نظر سے گذر چکے ہیں لیکن حضرت منوؔر لکھنوی نے "نسیمِ عرفان" کے نام سے مثنوی "گلزارِ نسیم" کی بحر میں جو منظوم ترجمہ کیا ہے اس کا جواب دوسری زبانوں میں گیتا کے منظوم ترجموں میں مشکل سے مل سکے گا۔ منوؔر صاحب کے اس منظوم ترجمے کے تین اڈیشن شائع ہو چکے ہیں اس ترجمہ میں بڑی سلاست اور روانی ہے یہ ترجمہ اردو ادب میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔

ہندو مذہب کے علاوہ منوؔر صاحب نے بدھ دھرم اسلام اور سکھ مذہب کی بڑی خدمات کی ہیں۔ بدھ دھرم کی مذہبی کتاب "دھمپد" یعنی بھگوان گوتم بدھ کی تعلیمات کا منظوم ترجمہ "نجی راہ" کے نام سے کیا تھا جس کو انجمن ترقی اردو ہند نے شائع کیا ہے اس ترجمہ کے علاوہ منوؔر صاحب نے قرآن شریف کی مختلف سورتوں کا منظوم اردو ترجمہ "فرمانِ الٰہی" کے نام سے کیا تھا جو غیر مطبوعہ ہے۔ سکھ دھرم کی مذہبی کتاب "جپ جی صاحب" کا بھی منظوم ترجمہ آپ نے کیا تھا۔

منوؔر صاحب نے اپنے والد منشی دوارکا پرشاد افق کی ادبی خدمات کے سلسلے میں "لمعاتِ افق" ایک کتاب ترتیب دی تھی جو افق صدی کمیٹی دہلی کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں افق صاحب کے حالاتِ زندگی اور ان کے کلام کا انتخاب شامل ہے۔ افق صدی کے جلسے کی صدارت پروفیسر آل احمد سرور نے فرمائی تھی۔ منشی نوبت رائے نظر پر بھی ایک کتاب آپ نے ترتیب دینا شروع کی تھی معلوم نہیں کہ یہ کتاب مکمل ہوئی یا نہیں۔ ان دو کتابوں کے علاوہ منوؔر صاحب نے بہت سے ادبی مضامین شعرا اور ادیبوں کے سلسلے میں لکھے ہیں جو شائع ہو چکے ہیں۔

(باقی صفحہ ۹ پر)

مناظر عاشق ہرگانوی

"آئینہ" کلکتہ

"آئینہ" کا پہلا شمارہ میرے پیش نظر ہے۔ سرورق کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے ایڈیٹر کے نام کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن صفحہ ۲ پر "فہرست مضامین" کے علاوہ درج ذیل معلومات ہیں۔

چندہ سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ۔ فی پرچہ ۴ ر۔ معاونین قیس شیخ پوروی نمبرا۔ جلد ۱۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء۔

مضمون نگاروں کی فہرست دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ پہلے شمارے میں ہی نصیر حسین خیال، عبدالرزاق ملیح آبادی، شاد عظیم آبادی، قمر بریلوی، جوش ملیح آبادی، رضا علی وحشت، آغا حشر کاشمیری، آرزو لکھنوی، ظفر قریشی، ساغر نظامی، عباس علی خاں بیخود وغیرہ شامل ہیں۔

صفحہ ۱ پر "افتتاح" کے تحت ایڈیٹر نے "آئینہ" کے اجراء پر روشنی ڈالی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

"حسن ذوق، لطافت خیال، جدت پسندی اور بے لاگ تنقید کی اردو ادب میں کمی ہے۔ اگر ہم اس کمی کی کچھ بھی تلافی کر سکے تو اپنے آپ کو کامیاب تصور کریں گے ہم کوشش کریں گے کہ آئینہ اردو ادب کے حال کا نہیں بلکہ مستقبل کا بھی "آئینہ" ثابت ہو۔ یہ دعویٰ "چھوٹا منہ بڑی بات" کی مثل شاید لوگوں کو یاد دلا دے مگر یہ دعویٰ نہ مشکل ہے نہ ناممکن العمل۔ بشرطیکہ ملک کے ادیب ہماری مدد کریں اور پبلک ہمارے مشوروں پر کان دھرے۔"

صفحہ ۳ سے ۵ تک ایڈیٹر نے "شذرات" کے تحت مختلف مسائل پر تنقید و تبصرہ کیا ہے اور معلومات بہم پہنچائی ہے۔ چند اقتباس ملاحظہ فرمایئے:۔

"بنگالی اور گجراتی ادیبوں نے صرف پچیس سال کے اندر اپنی زبانوں کو اس قدر بلند کر دیا ہے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اردو کا علمی اور ادبی درجہ تقریباً اسی جگہ پر قائم ہے جہاں غالب مرحوم چھوڑ گئے تھے۔"

"یوں تو مختلف اطراف ہند میں ترجمہ و تصنیف کے ادارے قائم ہیں اور بزعم خود اردو زبان کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اے کاش ان کی آنکھیں کھلی ہوتیں اور وہ دیکھتے کہ یہ راہ کعبہ کو جا رہی ہے یا ترکستان کو؟ ان کی تصانیف بے جان لاشوں کی طرح کتب خانوں کی قبروں میں مدفون ہیں۔ ان میں حسن ادب اور جاذبیت یک قلم مفقود ہے۔ یہی سبب ہے کہ پبلک ان کی کوئی قدر نہیں کرتی۔ بعض تعلیم گاہوں میں ان کتابی معلومات کے تلخ ذرّے بزور سنگین طلبہ کے حلق سے نیچے اتارے جاتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب نظر ان اداروں پر اعتراض کرتا ہے تو بہت متانت سے جواب دیتے ہیں۔ "یہ کتابیں ٹھوس اور عالمانہ دقیق ہیں۔ عام پبلک ان کے درک سے قاصر ہیں۔"

"مولانا ابوالکلام آزاد کی نثر اور سر اقبال کی نظم نے کچھ دنوں ہندوستان کی ادبی فضا میں ایک ہلچل پیدا کی تھی مگر اب ہندوستانی دل و دماغ فارسی اور عربی نقالی کے اثرات قبول نہیں کر سکتے۔ خدا کا شکر ہے ان دونوں بزرگوں نے اپنی ادبی بضاعت کی حقیقت کو جان کر ہمیشہ کے لئے خاموشی اختیار کر لی ہے۔ ان دونوں کی خاموشی اردو زبان و ادب پر ایک مستقل احسان ہے۔"

"ملک الشعراء ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کلکتہ یونیورسٹی میں بنگلہ زبان کے صدر مدرس منتخب کئے گئے ہیں۔ سینٹ ہال میں بڑی دھوم سے آپ کے اعزاز میں ایک جلسہ منعقد ہوا تھا اور یونیورسٹی کے وائس چانسلر سر حسن سہروردی اور تمام ارکان نے یک زبان آپ کی ادبی اہمیت کا اعتراف کیا تھا۔ یہ کلکتہ یونیورسٹی کی خوش نصیبی ہے کہ آپ نے اس عہدہ جلیلہ کو قبول فرمایا۔ ڈاکٹر ٹیگور کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ دنیائے ادب کی ان معدودے چند ہستیوں میں سے ہیں جن کی شہرت صفحہ ادب سے مٹائے مٹ نہیں سکتی۔ یوں تو اس یونیورسٹی میں بہت سے پروفیسر اس عہدہ پر سرفراز ہوتے رہیں گے مگر اس پایہ کا کوئی شخص شاید آئندہ اس منصب سے متمتع نہ ہوگا۔ کیونکہ اکثر وہ لوگ جو ذاتی صاحب علم و ادب ہوتے ہیں یا تو دنیا مرے سے ان کی قدر ہی نہیں کرتی اور یا پھر اس وقت ان کی قدر کی جاتی ہے جب وہ عالم باقی کی طرف کوچ کر جاتے ہیں۔ خود ڈاکٹر ٹیگور کے ساتھ قریب تھا کہ یہی واقعہ پیش آ جائے، ان کی بنگال میں کوئی خاص شہرت نہ تھی، ان کے اشعار کو دیگر بنگالی شعراء کے اشعار پر ترجیح نہیں دی جاتی تھی اور جب تک یورپ نے آپ کی خدمت میں ہدیہ "نوبل پرائز" پیش نہیں کیا تھا، اس وقت تک بنگال سے باہر ہندوستانی آپ کے نام تک سے واقف نہ تھے۔"

"کلکتہ یونیورسٹی نے میٹرکولیشن تک کا نصاب ہندوستانی زبانوں میں کر دیا ہے۔ اس باب میں یونیورسٹی کا یہ دلیرانہ اقدام ہر طرح لائق تحسین و آفریں ہے۔ غیر ملکی زبان میں

ابتدائی تعلیم کا طریقہ حد درجہ بے معنی اور مضحکہ انگیز تھا اور یہی سبب ہے کہ باوجود کثرت تعلیم کے ہماری یونیورسٹیاں اس پایہ کے حکیم اور ادیب پیدا نہیں کر سکیں جو غیر ملکی یونیورسٹیاں پیدا کر رہی ہیں۔ امید ہے کہ ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیاں بھی اسی قسم کا اقدام کریں گی اور صرف ہندوستانی ہی زبان کو ابتدائی تعلیم کا ذریعہ بنائیں گی۔ کیا خوب ہوتا اگر ہر صوبہ میں اردو اور ہندی کی تعلیم لازمی قرار دی جاتی، تاکہ تمام ہندوستان کی ایک مشترکہ قومی زبان کی بنیادیں مضبوط ہو جائیں۔ دیکھئے ہندوستان کی قسمت کب جاگتی ہے اور کب اس خواب کی تعبیر نظر آتی ہے۔"

صفحہ ۸ سے ۸ تک نواب نصیر حسین خیال کا محققانہ مضمون "اردیا ہندی" ہے۔ یہ مضمون خیال کی تصنیف "داستان اردو" کا ایک ورق بطور تبرک پیش کیا گیا ہے تاکہ زبان کے جوہری اس موتی کو پرکھیں اور اس کی جوت سے شوق کی نگاہوں کو ٹھنڈک پہنچائیں۔ مدیر کی اطلاع کے مطابق "داستان اردو" عنقریب ارباب ذوق کے ہاتھوں تک پہنچنے والا ہے۔

صفحہ ۹ پر عبدالسلام خان صاحب سلام رکن ادارہ "ہند" کی نظم "تصویر دیکھ کر" ہے۔ اس نظم کے مقابل کے صفحہ پر ایک رنگین بار سنگھار سے مرصع جوان عورت کی تصویر ہے جو اپنے قد آدم میں کھڑی دایاں ہاتھ سر کے جوڑے پر رکھے بائیں ہاتھ میں آئینہ تھامے محو آئینہ ہے۔ اس تصویر پر یہ مصرعہ چسپاں کیا گیا ہے ؎

خود بین وہ محو آئینہ اپنی بہار دیکھ کر

صفحہ ۱۰ سے ۱۲ تک عبدالرزاق ملیح آبادی کا فکر انگیز مضمون "ہمارے شعرائے کرام" ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے دور حاضر کی اردو شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے اس پر زور دیا ہے کہ اردو نظم محتاج اصلاح و تجدید ہے اور سر تک بند اور خود کو پیغمبر سمجھنے والے شاعروں کو انھوں نے مفید مشورے دئے ہیں۔

صفحہ ۱۲ پر عبدالسلام خان کی ایک رباعی ہے۔

صفحہ ۱۳ پر "ناپائیدار زندگی" کے عنوان سے شاد عظیم آبادی کی دو غیر مطبوعہ غزلیں ہیں۔ پہلی غزل میں چار شعر ہیں۔ مطلع اور مقطع ملاحظہ فرمائیے ؎

خواہش عمر جاودانی ہیچ — گر یہی ہے تو زندگانی ہیچ
شاد اب تک نہ کچھ کھلا عقدہ — ہیچ ہم یا جہان فانی ہیچ

دوسری غزل میں نو اشعار ہیں۔ مطلع و مقطع یہ ہے ؎

اپنی ہستی کو غم و درد و مصیبت سمجھو — موت کی قید لگا دی ہے غنیمت سمجھو
کاہلی، خود غرضی، دل میں یہ سودائے ستم — شاد انھیں باتوں کو انسان ریاست سمجھو

صفحہ ۱۴ سے ۱۶ تک مظفر تبریزی کا افسانہ "تکمیل محبت" ہے۔

صفحہ ۱۷ پر جوش ملیح آبادی کی نظم "تاج کا سایہ" اور معین الدین احمد تپش عظیم آبادی کی نظم "یار کی تصویر" ہے۔

صفحہ ۱۹ سے ۲۲ تک مظفر حسین شمیم رائے پوری کا مضمون "سید جمال الدین افغانی اور حضرت داغ کی ملاقات" ہے۔ داغ سے ملاقات کے بعد اور ان کا کلام سن کر سید جمال الدین افغانی بہت پژمردہ اور مایوس ہو گئے تھے۔ ان جیسے مصلح اعظم کو گل و بلبل کی فرسودہ حکایتوں اور ہجر و وصل کے پیش پا افتادہ فسانوں میں کچھ بھی لطف نہیں آیا۔ وہ ہندوستان کے "سب سے بڑے شاعر" کے منہ سے وہ نغمے سننا چاہتے تھے جو دلوں میں گرمی پیدا کر دیں اور روحوں کو تڑپا دیں۔ وہ تو سمجھے گئے تھے کہ داغ کے پردے میں فردوسی اور ہومر بولتے ہوں گے۔ لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس تھا۔ سید جمال الدین نے داغ سے متعلق ایک رباعی بھی کہی تھی جس کا ایک مصرعہ یہ ہے ؎

بجائے اسپ خر را داغ کردند

شجاع خاور

غزل

ترے خلوص نے آنکھوں سے حال پوچھا ہے
ہمارے درد کو لفظوں نے گھیر رکھا ہے
بدن، بدن سے کہاں اجتناب کرتا ہے
مگر وہ روح کی تلوار کا جو سایہ ہے!
زمین یوں ہی نہیں گھومتی کسی کے گرد
مجھے بھی دوستو دن رات جلنا پڑتا ہے
نہ اتنے زور سے سوچو کہ جاگ اٹھے وہ
خدا ابھی ہمیں تخلیق کر کے سویا ہے
سو ایک رات ستاروں کا خون کر ڈالا
مرے سروں پہ یہ سورج ابھی سے رہتا ہے!
مجھے قریب سے دیکھو، کچھ اور دور ہٹو
تمہاری آنکھ اجالے سے اب بھی خیرہ ہے

صفحہ ۲۳ پر خان بہادر مولانا رضا علی وحشت کی غزل "آئینہ جذبات" کے عنوان سے ہے۔ اس غزل میں آٹھ اشعار ہیں مطلع اور مقطع یہ ہیں ؎

آئے ہیں مشکل سے اور جائیں گے بھی مشکل سے ہم — اب قیامت ہی اٹھا کر اٹھیں گے محفل سے ہم
وہ بھی دن تھے جبکہ فکر شعر سے فرصت نہ تھی — اب تو لکھتے ہیں غزل وحشت بڑی مشکل سے ہم

صفحہ ۲۴ سے ۲۶ تک ایم ضیاء الدین (شاہی نگینہ) کی کہانی "تلاش ناتمام" ہے۔

صفحہ ۲۷ پر "پیار و تمنا" ہندی زبان کی ایک قدیم شاعرہ کا شاہکار از منظر رضا نپوری اور "نوا" شیکسپیئر کی ایک نظم کا ترجمہ از جبین الدین اختر ہے۔

صفحہ [illegible] پر آغا حشر کاشمیری کی نظم "احساس ناچاری" اور شاد عظیم آبادی کی ایک رباعی ہے۔

صفحہ [illegible] سے [illegible] تک ظفر قریشی (دہلوی) کا جاسوسی افسانہ "جرائم پیشہ ادیب" ہے۔

صفحہ [illegible] پر ساغر نظامی کی نظم "آدم شناور کی تخلیق" ہے۔

صفحہ [illegible] سے [illegible] تک "لے کا بادل" کے عنوان سے جوش ملیح آبادی کی اسی عنوان کی ایک نظم پر ایڈیٹر نے سرسری مگر بھرپور تنقید کی ہے۔ صفحہ [illegible] پر بی۔ اے عبدالصمد قمر صدیقی لکھنوی کی ۹ شعر کی ایک غزل ہے۔

صفحہ [illegible] پر "استعارکی گھڑیاں" کے عنوان سے غلام رسول قیس دہلوی کا ادب پارہ ہے۔

صفحہ [illegible] سے [illegible] تک سہیل جمیل کا ترجمہ شدہ یونانی افسانہ "نرگس" ہے۔

صفحہ [illegible] پر ہی عباس علی خاں بیخود کی آٹھ شعر کی غزل "افکار بیخودی" کے عنوان سے ہے۔

صفحہ [illegible] سے [illegible] تک رادھا کے عاشق کا مضمون "فکر کا نظارہ حسن" ہے۔ صفحہ [illegible] سے [illegible] تک جبین الدین اختر کی نظم "عدم کی بسنے والی سے"۔ صفحہ [illegible] پر ہی "خالص اردو" کے عنوان سے آرزو لکھنوی کی نظم ہے۔

صفحہ [illegible] پر "گل و بلبل" کے عنوان سے خلیل الرحمن کا ادب پارہ ہے۔

صفحہ [illegible] پر ناظم ہاشمی کی کہانی "شوہر کا مزار" ہے۔

صفحہ [illegible] اور [illegible] پر اشتہارات ہیں۔ صفحہ [illegible] پر ہی دفتر کا پتہ اور پرنٹر، پبلشر کا نام وغیرہ درج ہے۔

ملنے کا پتہ: دفتر "آئینہ" [illegible] ہرن باڑی لین، کلکتہ

غلام رسول قیس پرنٹر اور پبلشر نے برٹش انڈیا پریس [illegible] کرونوڑ میں چھپوا کر [illegible] ہرن باڑی لین سے شائع کیا۔

نہ معلوم یہ رسالہ کب تک شائع ہوتا رہا؟

▲

صفحہ ۳ سے آگے

مخمور صاحب نے ہمارے قدیم شعراء کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اردو فن پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے آپ کے شاگردوں کا حلقہ بیخود دہلوی مرحوم کی طرح کافی وسیع تھا لیکن آپ استادی شاگردی کے چکر سے دور رہنے کی کوشش کرتے تھے بلکہ شعر و ادب کے سلسلے میں دوستانہ مشورہ سخن دیتے تھے آپ کے مشورہ سخن کرنے والوں میں سے راج نرائن راز ایم۔ اے، ست پرکاش شوق، شباب للت، سید آفاق حسین آفاق دہلوی، طالب پانی پتی، کنورلال کنول، رام کشن تمنا، برج جرأت، گیان پرشاد اختر اور کالی چرن آرش کے نام قابل ذکر ہیں۔

مخمور صاحب کی وفات سے اردو ادب کا ایک اور ستون گر گیا اب مخمور صاحب جیسے انسان صدیوں کے الٹ پھیر کے بعد بھارت میں پیدا ہوں گے۔

▲

بقایا صفحہ ۹ سے آگے

تاریخ ——— دستخط ———

(۱۷) رائے بزم ساز کمیٹی ———

(۱۸) فیصلہ اکیڈمی ———

ایسے صاحبان کی بھی ایک مکمل فہرست بزم ادبائے اردو راجستھان مرتب کرے گی جو سردست اس بزم کے رکن نہ ہو سکیں۔ لیکن ادب اردو کی خدمت میں معروف ہوں۔ تاکہ آئندہ وقتاً فوقتاً وہ بھی ممبر ہو سکیں۔ فقط

تاریخ ۸ رجون ۷۰ء مخلص احترام الدین

جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان

مراسلات

پنجاب میں اردو

مولانا محمود شیرانی مرحوم کی تحقیقات کے مطابق اردو کی ابتدا صدیوں پہلے پنجاب میں ہوئی۔ یہ بات صحیح ہو یا نہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو ادب کی ترقی اور ترویج میں پنجابیوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اردو کے سب سے بڑے اخبارات اور رسالے پنجاب (ہندوستان اور پاکستان) سے ہی شائع ہوتے ہیں اور عہد جدید کے اردو کے سب سے بڑے شاعر علامہ اقبال پنجاب ہی کے تھے۔ ہمارے افسانہ اور ناول نگاروں میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، احمد ندیم قاسمی، خواجہ احمد عباس (اگر غیر منقسم پنجاب کو لیں) بلند ترین مقام رکھتے ہیں۔ پاکستانی پنجاب کے اردو شاعروں اور ادیبوں نے اپنے ملک میں اردو ادب میں جو تخلیقات کی ہیں اور کر رہے ہیں وہ اہل پنجاب کے اردو شاعروں اور ادیبوں کی ادبیت اور افضلیت کا ثبوت ہیں۔ ایک شاعر کی حیثیت سے فیض کی جو مقبولیت ہندوستان اور پاکستان دونوں میں ہے وہ کسی بھی ادیب کے لئے باعث رشک ہے۔ ساحر لدھیانوی کے شعر اور گیت لاکھوں ہندوستانی نوجوانوں کے دلوں کو گرماتے اور تڑپاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہندوستانی پنجاب اور ہریانہ میں اتر پردیش بہار اور اردو کے دوسرے علاقوں کی طرح تقسیم ہند کے بعد اردو پر برا وقت آن پڑا۔ یک لخت اردو کی تعلیم کا سلسلہ تعصب اور تنگ نظری کی بنا پر پنجاب میں بھی ختم کر دیا گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب ہندوستانی پنجاب میں اردو باقی ہی نہیں رہے گی۔ ان حالات میں یہ خوشی کی بات ہے کہ پنجاب کے اردو داں اور اردو نواز حلقے نچلے نہیں بیٹھے اور انھوں نے اس کی کوشش شروع کر دی کہ پنجابی اور ہندی کے علاوہ اور ان کے ساتھ ساتھ ہندوستانی پنجاب میں اردو کی تعلیم اور اس کے ادب کی ترویج اور ترقی کے لئے کوشاں رہیں اور اس غرض سے ٹھوس قدم اٹھائیں۔

ہندوستانی پنجاب کے اردو نواز حلقوں کی اس مخلصانہ کوشش اور کاوش کو دیکھنے اور پرکھنے کا تجربہ مجھے گذشتہ ہفتے لدھیانہ کے قریب کی ایک بستی کھنہ میں ہوا۔ میرے دوست اور رفیق موہن لال سنگھی چند ہفتے پہلے مجھ سے ملنے کے لئے دہلی آئے، وہ لدھیانہ سے شائع ہونے والے ایک ترقی پسند اردو ہفتہ وار "نیشنل فرنٹ" کے ایڈیٹر ہیں اور انھوں نے مجھے یہ مژدہ سنایا کہ کھنہ کے اردو دوستوں نے وہاں عرصہ دو سال سے ایک اسکول قائم کیا ہے جس میں تقریباً ۱۲۰ طلبہ اردو کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور یہ کہ وہ عنقریب کہ وہ اپنا جلسہ تقسیم اسناد منعقد کرنا چاہتے ہیں۔ موہن لال سنگھی نے مجھ سے کہا کہ اس موقعہ پر وہ کھنہ میں اردو ادب کے مسائل پر ایک سیمینار کرنا چاہتے ہیں اور ایک مشاعرہ بھی۔ انھوں نے مجھے ان تقریبات میں شرکت کی پرخلوص دعوت دی اور کہا کہ وہ اس موقعہ پر پنجاب کے مختلف حصوں سے اردو شاعروں، ادیبوں نیز اردو نواز اساتذہ اور پروفیسروں کو کھنہ مدعو کریں گے۔ میری دوسری مصروفیتیں، میری عمر اور صحت گو میری راہ میں حائل تھے، لیکن کسی پنجابی دوست کی دعوت کو رد کرنا بہت مشکل کام ہے۔ پنجابی عام طور سے اتنے زندہ دل اور مہمان نواز ہوتے ہیں، کہ دل ہمیشہ ان کی طرف کھنچ جاتا ہے۔ میں نے یہ دعوت قبول کرلی اور جب دہلی سے لدھیانہ جانے کے لئے کھنہ کے اردو اسکول کے سربراہ بھنڈاری صاحب نے میرے لئے ہوائی جہاز سے سفر کا بندوبست کر دیا یعنی سفر کی مدت ہوائی جہاز اور موٹر کے ذریعہ صرف ڈیڑھ گھنٹے کی رہ گئی تو پھر تو انکار کا کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا۔

اردو کے ادیب اور شاعر پروفیسر پیارے لال رتن، کھنہ کے اردو اسکول کے سکریٹری نے اینگلو سنسکرت ہائر سکنڈری کے ہال میں دس بجے صبح کو سیمینار کا آغاز کیا۔ سیمینار کا موضوع تھا "اردو ادیب اور ان کے مسائل" میرا خیال تھا کہ اس سیمینار میں اردو ادب کے موجودہ مسائل مثلاً ترقی پسندی اور جدیدیت وغیرہ پر بحث ہوگی لیکن رتن صاحب کی افتتاحی تقریر سن کر مجھ کو اندازہ ہو گیا کہ یہاں پر اردو زبان کے حال اور مستقبل خاص طور پر پنجاب میں اردو کی تعلیم اور ترقی کے مسائل پر تبادلۂ خیال ہوگا۔ پروفیسر رتن نے اپنی تقریر کے دوران کہا کہ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں بعض زبانیں ایک خاص خاص مذہبوں کے ماننے والوں سے وابستہ کر دی گئی ہیں۔ مثلاً ہندی ہندوؤں سے پنجابی سکھوں سے اور اردو مسلمانوں سے اس طرح ایک مذہبی فرقہ سے وابستگی نے ان کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ پروفیسر رتن نے کہا کہ تاریخی اعتبار سے کسی زبان کو بھی کسی ایک مذہب کے ساتھ منسلک کرنا صحیح نہیں ہے۔ اردو کے خمیر اور اس کی تعمیر میں قومی یکجہتی کی اسپرٹ ہے۔ ہمیں اسے برقرار رکھنا چاہیے۔

لدھیانے کے ایک کالج کے پرنسپل سری رام صاحب نے سیمینار کی صدارت کی۔ اس کے بعد پریم اشک صاحب نے اپنا مقالہ پڑھا۔ اشک نے گورو نانک کی تعلیمات اور ان کی سوانح حیات پر ایک طویل نظم لکھی ہے۔ انھوں نے اپنے مقالے میں بڑی دردناکی کے ساتھ ان متعصبانہ حرکتوں کی مذمت کی جو اردو کو دبانے کے لئے آزادی کے بعد سے کی جا رہی ہیں۔ اس کے بعد پروفیسر مہدو پنجابی کے مشہور ترقی پسند شاعر اور ادیب سنتوکھ سنگھ دھیر، کوثر برنالوی، موہن لال سنگھی، اے ایس کالج کے پرنسپل اور سجاد ظہیر نے بحث میں حصہ لیا۔

دھیر صاحب نے کہا کہ پنجابی ادیب ہونے کے باوجود میں اس کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ اردو زبان اور اردو ادب کے علم اور واقفیت سے پنجابی ادب کو بھی بہت فائدہ پہنچا۔ دھیر نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ اردو کو ہندوستان میں صرف اس کے رسم [illegible]

کا برقرار رکھنا ضروری ہے۔

پروفیسر سید بونے اپنی تقریر کے دوران اردو کے بیسیوں شعر پڑھے اور کہا کہ اردو کے ذریعہ ہم مہذب ہوتے ہیں اور اس سے ہمارے شعور کی جلا ہوتی ہے۔ کوثر برناوی صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ اردو کی تعلیم جاری کرنے کے لئے ہمیں اجتماعی اور انفرادی دونوں طرح کی کوشش کرنا چاہئے۔ انھوں نے بتایا کہ برنالہ میں انھوں نے ایک اردو اسکول جاری کیا ہے جس میں وہ خود اردو پڑھاتے ہیں اس وقت اس اسکول میں ۲۲ طلبہ اردو پڑھ رہے ہیں۔ موہن لال نگھی نے اپنی تقریر میں اردو کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں دشواریوں کا ذکر کیا اور کہا ہمیں اس مسئلہ کو حل کرنا چاہئے۔

سجاد ظہیر نے کہا کہ کیرالا میں ایک کوآپریٹو طور سے جاری اشاعت گھر بخوبی طور پر کامیاب ہوا ہے' پنجاب والے منچلے بھی ہوتے ہیں اور ان میں زندگی کی بھی صلاحیت ہے کیوں نہ اس طرح کا ایک کوآپریٹو اشاعت گھر پنجاب میں بھی قائم کیا جائے۔ آخر میں پرنسپل سری رام نے اپنی اختتامی تقریر کی۔ پروفیسر صاحب نے کہا کہ ان کی رائے میں اردو بے حد اچھی پُر اثر زبان ہے اور موجودہ مشکلات کے باوجود ہمیں اسے برقرار رکھنے اور اسے ترقی دینے کی کوششوں کو جاری رکھنا چاہئے۔ آخر میں ضرور ہمیں کامیابی ہوگی۔ سیمنار ڈیڑھ بجے ختم ہوا۔

تیسرے پہر پانچ بجے جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا۔ جس کی صدارت سجاد ظہیر نے کی۔ سب سے پہلے اردو اسکول کمیٹی کے سکریٹری نے جو کہ ایک سکھ نوجوان ٹیچر ہیں اسکول کے متعلق اپنی رپورٹ پیش کی۔ انھوں نے بتایا کہ جب اردو اسکول شروع ہوا تب اس میں تقریباً ۱۲ طلبہ شریک ہوئے جو مختلف عمروں اور مختلف پیشوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اردو اسکول میں اردو کی ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے اور چار مہینے میں طالب علم اردو میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیتے ہیں۔ اس جلسے میں ۱۰ طلبہ کو سندیں دی جائیں گی جنھوں نے امتحان پاس کرلیا ہے۔ کھنہ کے لوگ چندہ کرکے اسکول کے اخراجات کے لئے فنڈ جمع کرتے ہیں۔ سجاد ظہیر نے پاس ہونے والے طلبہ کو اسناد تقسیم کیں اور انھیں اردو پڑھنے پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا کہ جلد ہی اسکول میں ثانوی اور اعلیٰ اردو کی تعلیم کا انتظام بھی ہو سکے گا نیز اسے پنجاب سرکار کی طرف سے مالی امداد بھی ملے گی۔ پنجاب کے اردو دوستوں نے کھنہ اور برنالہ میں اردو اسکول قائم کرکے ایک مثالی کام کیا ہے اگر اردو کی حمایت میں کانفرنسیں اور جلسے منعقد کرنے کے ساتھ ہم لوگ اس طرح کے ٹھوس قدم بھی اٹھائیں جیسے کھنہ اور برنالہ کے دوستوں نے کیا ہے تو اردو کی بہت ترقی ہو سکتی ہے۔

سجاد ظہیر نے کہا کہ اردو زبان کی جد و جہد کو ملک کی اس عام سیاسی جد و جہد سے علٰحدہ کرکے دیکھا نہیں جا سکتا جو اس ملک کے لوگ بچی جمہوریت اور سوشلزم کے لئے کر رہے ہیں۔ بالآخر ترقی پسند جمہوری طاقتوں کی فتح ہوگی اور رجعتی طاقتوں کو شکست اس لئے ہمیں مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

تقسیم اسناد کے بعد ادبی پروگرام شروع ہوا۔ پہلے دو افسانے پڑھے گئے' ایک ہندی کا اور ایک اردو کا۔ اس کے بعد سات بجے شام سے مشاعرہ شروع ہوا۔ اس میں شرکت کے لئے پنجاب کے مختلف حصوں سے نامی گرامی نیز نوجوان اردو شعرا کھنہ آئے تھے ان کے نام یہ ہیں:

نو بہار صابر، خادم فیروزپوری، ست پال گوتم، کھوڑ رال تھاپڑ، مدن لال کیف، اشک شاد بنگوی، نسیم لدھیانوی، بجن بابو، پروفیسر اجیت کمار، امن خضر آبادی، سردار بلجیت سنگھ، ہر دیال واجد، موہن سنگھ مونج، پیارے لال رتن، جیش شیاوی، کوثر برناوی، کرشن ادیب، سنتوکھ سنگھ دھیر (پنجابی)، رمیش ساہی (ہندی)۔ آخر میں سجاد ظہیر نے اپنی نظمیں اور غزلیں سنائیں۔ مشاعرہ رات کو ایک بجے ختم ہوا۔ دراصل اردو شاعری کا بھی عجیب جادو ہے۔ لوگ اس سے تھکتے ہی نہیں۔

دہلی۔ سجاد ظہیر

• بشکریہ "حیات"

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

مقالات احسان (ادبی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ)

مصنف:- مرزا احسان احمد

ناشر:- دار المصنفین اعظم گڈھ

صفحات:- ۴۷۹

اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں

مصنف:- مولانا حکیم سید عبد الحیؒ

مترجم:- مولانا ابو العرفان ندوی

ناشر:- دار المصنفین۔ اعظم گڈھ

صفحات:- ۴۹۸ قیمت دس روپے

الفوز العظیم۔ (سفر نامہ)

مصنف:- مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی

ناشر:- دار المصنفین اعظم گڈھ

صفحات:- ۸۲

▲

انجمن کی خبریں

راجستھان میں اردو کے لئے جدوجہد

انجمن ترقی اردو راجستھان کی ایک اہم میٹنگ ۷ جون ۱۹۷۰ء کو تسلیم منزل جے پور میں منعقد ہوئی جس میں حسب ذیل امور پر غور کیا گیا۔

(۱) نئے تعلیمی سال سے مدارس میں اردو کی تعلیم کا انتظام

(۲) مردم شماری کے سلسلے میں مادری زبان کے اندراج کی صحت

(۳) ساہتیہ اکیڈیمی راجستھان کے تعاون سے "بزم ادبائے راجستھان" کے قیام کا انتظام۔ اس سلسلہ میں ایک گشتی چٹھی نمبر ۲ جاری کی گئی ہے جو حسب ذیل ہے:۔

گشتی نمبر ۲

مورخہ ۸ جون ۱۹۷۰ء، جناب والا!

تسلیم۔ راجستھان ساہتیہ اکیڈیمی (سنگم) اودے پور کی تحریک پر انجمن ہذا نے طے کیا ہے کہ دونوں اداروں کے اتحاد و تعاون سے ایک "بزم ادبائے اردو" قائم کرے جس کا نام اکیڈیمی کے الفاظ میں "اردو ساہتیہ کار پریشد" ہوگا۔ اور یہ بزم راجستھان کے ایسے تمام ادیبوں سے متعلق ہوگی۔ جو راجستھان میں سکونت پذیر ہوں یا راجستھان سے باہر لیکن اس بزم کے ممبر ہوں۔

اس بزم کا صدر مقام جے پور ہوگا اور حسب ضرورت دیگر مقامات راجستھان پر اس کی شاخیں قائم ہو سکیں گی۔ اس کو اکیڈیمی کے مشوروں سے انجمن اپنی نگرانی میں چلائے گی اور اکیڈیمی مالی امداد کرے گی۔

اس بزم کے اغراض و مقاصد میں اردو ادب کی ترقی اور اردو کے ادیبوں کی حوصلہ افزائی نیز ان کی معیاری تخلیقات کی طباعت و اشاعت کا انتظام اور ان کی انعام وغیرہ کی شکل میں مالی امداد کرنا شامل ہوگا۔

یہ ادارہ انجمن اور اکیڈیمی کا ادبی جزو ہوگا اور اس کا کسی سیاسی معاملے یا ادبا کے باہمی نزاعات سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

اس ادارے کی اصطلاح میں "ادیب اردو" سے مراد وہ اہل قلم ہوگا جس کی دیرینہ ادبی خدمات کی بنا پر انجمن کی مقررہ کمیٹی الموسوم بہ "بزم ساز کمیٹی" اس کو ادیب قرار دے اور اکیڈیمی بھی تسلیم کر لے۔ یا اس اہل قلم کی کوئی ایک یا زائد ایسی تخلیقات جو معیاری ہوں (مطبوعہ یا غیر مطبوعہ) جو کم از کم ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہوں۔

معیاری یا غیر معیاری کا فیصلہ فی الحال تا قیام بزم ادبائے اردو انجمن کی بزم ساز کمیٹی اور اکیڈیمی کے متعلقہ ارکان کی متفق تجویز پر منحصر ہوگا۔ اور آئندہ بزم ادبائے اردو کی مجلس عاملہ اور اکیڈیمی کی رائے پر۔ بزم ادبائے اردو کی دو کمیٹیاں ہوں گی۔ (۱) بزم عام اور (۲) بزم عاملہ۔ جن کے قواعد جداگانہ مرتب ہوں گے۔ بالاختصار یہ کہ اس بزم کی کسی بھی کمیٹی کا کوئی بھی ممبر ساہتیہ اکیڈیمی کا بھی ممبر ہو سکتا ہے۔ اس بزم کے قیام کی غرض سے ایک سوالنامہ مندرجہ ذیل شائع کیا جاتا ہے اس کی خانہ پری کر کے ہر اس راجستھانی ادیب انجمن ہذا کو بھیجنا چاہئے جو اس تجویز سے متفق ہو۔

ضروری نہیں ہے کہ یہ سوالنامہ چھپے ہوئے فارم پر بھیجا جائے بلکہ جوابات مطلوبہ ہر کاغذ پر قبول ہوں گے۔ البتہ ۳۰ جون ۷۰ء تک دفتر انجمن میں پہنچنا ضروری ہے۔

اس سوالنامہ کی تکمیل پوری صحت و ذمہ داری کے ساتھ ہونا ضروری ہے کیونکہ اس سلسلہ میں بزم ساز کمیٹی مجاز ہوگی کہ خانہ نمبر ۱۵ کے اندراجات کی جانچ خود کرے یا اپنے کسی نمائندے سے کرائے اور ضرورت ہو تو تخلیقات بھی مطالعہ کے لئے طلب کر کے اپنا اطمینان کرے۔

بزم ساز کمیٹی عارضی طور پر اس وقت تک قائم رہے گی کہ ادبا کی کمیٹیاں بن جائیں۔ فی الحال اس (بزم ساز کمیٹی) کے حسب ذیل اصحاب ارکان تجویز کئے گئے ہیں۔

(۱) محمد افتخار علی صاحب شمیم کنوینر (۲) اے۔ الف۔ عثمانی صاحب سکریٹری

(۳) پی۔ کے۔ مجاز صاحب۔ ممبر (۴) جی۔ ایس۔ عارف صاحب ممبر

(۵) کنور نفاست علی خاں صاحب ممبر (۶) محمد سراج صاحب۔ ممبر

(۷) احترام الدین احمد شاغل۔ ممبر نگران اصول و مشیر خاص

سوالنامہ

(۱) نام مع اعزازی القاب وغیرہ (اگر کچھ ہو)

(۲) تخلص۔ بصورت شاعر

(۳) ولدیت (۴) قومیت

(۵) تاریخ پیدائش (۶) جائے پیدائش

(۷) مقام مستقل سکونت راجستھان (۸) موجودہ سکونت

(۹) موجودہ پتہ (۱۰) مستقل پتہ

(۱۱) ذریعہ معاش اور بصورت ملازمت سرکاری۔ عہدہ وغیرہ کا اظہار

(۱۲) تعلیم (۱۲۔الف) کوئی اور تفصیل (۱۳) اس وقت اگر کسی ادارے کے ممبر بھی ہیں تو اس کا اظہار۔

(۱۴) بصورت شاعر نام و تخلص اساتذہ (۱۵) تفصیل تصنیف و تالیف

نمبر شمار نام کتاب زبان موضوع رسم خط مطبوعہ یا قلمی سنہ طباعت سائز یا کتابت

ضخامت نام مطبع اگر مطبوعہ ہو نظم یا نثر کیفیت

(۱۶) بزم ادبائے راجستھان کی رکنیت کا متمنی ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ بزم کے اغراض و مقاصد کی ہمیشہ حمایت کیا کروں گا اور اس کی امکانی امداد بھی۔ نیز اس کی ہدایات کا پابند رہوں گا۔

(باقی صفحہ ۹ پر)

احباب و اذکار

اردو کسی ایک فرقہ کی زبان نہیں

نظام آباد (آندھرا پردیش) - جناب نارائن ریڈی ایم پی نے کہا ہے کہ اردو کسی ایک فرقہ کی زبان نہیں اور ہندوستان میں کسی ایک فرقہ نے اس کی ترویج میں تنہا نمایاں حصہ نہیں لیا۔ اردو ہندوستانی زبان ہے اس لئے ہندوستان کے تمام فرقوں اور علاقوں نے اس کو اپنے سینوں سے لگائے رکھا اب بھی اس زبان کی بقا کے لئے اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں سب ہی اس کے حق میں آواز اٹھاتے ہیں۔ جناب نارائن ریڈی "باپوجی واچنالیہ" میں اردو کے بہی خواہوں کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کر رہے تھے۔

جناب ریڈی نے اردو کے تحفظ کے لئے نت نئی انجمنوں کے بنائے جانے کی مخالفت کی اور اردو کے متحدہ پلیٹ فارم پر زور دیا انہوں نے ملک میں تشدد کی لہر کے خلاف اردو کے ادیبوں اور شاعروں کو عملی جدوجہد کا مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ اردو جرائد کی تعداد بڑھ رہی ہے مگر اردو پڑھنے والوں کی تعداد گھٹ رہی ہے اس لئے اردو تعلیم پر زیادہ توجہ کی جانی چاہیے۔ • نامہ نگار

جدیدیت ایک مستقل تاریخی عمل

حیدرآباد:- مشہور نقاد ڈاکٹر وحید اختر نے اردو مجلس کے اجلاس میں ادب اور جدیدیت کے زیر عنوان تقریر کرتے ہوئے جدیدیت کی بنیادی روح اور نئے رجحانات پر روشنی ڈالی انہوں نے کہا کہ جو عناصر جدید ادب کو غیر جدید ادب سے ممتاز کرتے ہیں وہ ہیں عہد کی انقلابی روح جو اپنا اظہار مخصوص علائم کے ذریعہ کرے ذاتی اور داخلی تجربہ کو بنیاد بنا کر جدیدیت کبھی کسی پرانی فرسودہ اور ناکارہ روایتوں کا احیا نہیں کرتی۔ جدیدیت ایک مستقل تاریخی عمل ہے جدیدیت ماضی کی بھی وراثت ہے اور اس کا تعلق اس ادبی ورثہ سے ہے جو آج کے عہد سے پہلے کا ہے۔ یعنی یہ ادبی روایتوں اور ورثہ کو نئے معنی پہنائے جاتے ہیں اس طرح جدیدیت نئے معنی کی تلاش کی کوشش بن جاتی ہے۔ ترقی پسند تحریک وقت کی ایک اہم ضرورت تھی اور اس تحریک نے اس ضرورت کو پورا کیا ذہنی تعصب اور ذہنی تحفظات کے تحت اس تحریک کو جانچنا غلط ہے اس تحریک کی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ تحریک آگے چل کر سیاسی انتہا پسندی کا شکار رہی۔ ڈاکٹر وحید اختر نے بتایا کہ ترقی پسند اور جدید لکھنے والوں میں جو اختلافات پیدا ہوئے ہیں اس کی ذمہ داری سرد دور ہے نئے لکھنے والوں کے ذہن کو ترقی پسندوں نے نہیں سمجھا۔ اور رجعت پسند کا لیبل لگانے کی کوشش کی دوسری طرف نئے لکھنے والوں میں بھی جہاں انتہا پسندی کا رویہ ملتا ہے وہ غلط ہے۔

اس جلسہ میں طیب انصاری نے حیدرآباد میں اردو صحافت کے زیر عنوان اپنے مقالہ میں حیدرآباد کی ایک سو سالہ اردو صحافت پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

ڈاکٹر راج بہادر گوڑ نے صدارت کی محفل شعر میں مہمان شعراء شفیع الیمین تیر، حماد رباب نکوی، عزیز قیس نے اپنا کلام سنایا۔
• نامہ نگار

اردو کے حقوق منوانے کے لئے جمہوری طریقوں سے جدوجہد ضروری

لکھنؤ:- ممبران پارلیمنٹ کی نو تشکیل اردو کمیٹی کے چیرمین شریمتی آنند نرائن ملا نے یہاں گذشتہ شام کو کہا کہ محبان اردو کو ان رعایتوں اور سہولتوں سے مطمئن ہو کر نہ بیٹھ رہنا چاہیے جن کا مرکزی اور ریاستی حکومتیں وقتاً فوقتاً اعلان کرتی رہتی ہیں بلکہ انھیں اپنے حقوق کو سرکاری طور پر منوانے کے لئے جمہوری طریقے سے جدوجہد کرنی چاہیے۔

ملا صاحب بیگم حامدہ حبیب اللہ ایم۔ ایل۔ اے کی قیام گاہ پر ان ممبران مجلس قانون ساز اور ممتاز شہریوں کے جلسہ میں تقریر کر رہے تھے جو اردو کی بقا و ترقی اور اس کے حقوق کے سرکاری طور پر تسلیم کئے جانے سے گہری دلچسپی لیتے ہیں۔

یہ جلسہ یہاں ممبران قانون ساز کی اردو کمیٹی کی انھیں بنیادوں پر تشکیل کے لئے بلایا گیا تھا۔ بہر حال اس معاملہ میں کوئی قطعی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اب ریاستی ممبران مجلس قانون ساز کی متذکرہ بالا اردو کمیٹی ۲۹ر جون کو ایک بڑا جلسہ بلائے گی جس میں زیادہ سے زیادہ ممبروں کو مدعو کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس موقع پر

فیصلہ ہوگا کہ یہی کمیٹی کام کرتی رہے گی یا ملا صاحب کی تجویز کے بموجب کسی نئی کمیٹی کی تشکیل کی ضرورت ہے۔

رائے عامہ کو منظم کرنے کی ضرورت

پنڈت آنند نرائن ملا نے جو ممبران مجلس قانون ساز کی نئی کمیٹی قائم کرانے کے سلسلہ میں دہلی سے یہاں آئے تھے جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آزادی کے بعد سے اردو زبان کی ترقی کے سلسلہ میں کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا اس لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اردو کے حقوق منوانے کے لئے رائے عامہ کو منظم کیا جائے اور یوپی اور بہار وغیرہ میں ممبران مجالس قانون ساز کو خاص طور سے ہم خیال بنانے کی کوشش کی جائے۔

انھوں نے اس توجہ نامہ کا تذکرہ کیا جو ممبران پارلیمنٹ کے ایک وفد نے وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو گزشتہ ۸ر مارچ کو دیا تھا اور جس پر ملک کی دوسری زبانوں کے ۱۰ سے زائد ادیبوں شاعروں کے بھی دستخط ہیں۔

انھوں نے اپیل کی کہ ممبران پارلیمنٹ کی اس کمیٹی کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے انھیں بنیادوں پر اترپردیش اور بہار میں ممبران مجالس قانون ساز کی کمیٹیاں قائم کی جائیں اور اردو کی ترقی کے لے شہریوں کی کمیٹیاں بھی قائم ہوں۔

ریڈیو اور اردو

ملا صاحب نے خوشی ظاہر کی کہ وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو جو توجہ نامہ پیش کیا گیا تھا اس کے ایک مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے حکومت نے حال ہی میں آل انڈیا ریڈیو کی اردو نشریات کے وقت میں اضافہ کردیا ہے۔

ملا صاحب نے کہا کہ رائے شماری کے موقع پر حامیان اردو کو اس بات کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہئے کہ زبان کے خانے میں اردو کا صحیح اندراج کیا جائے۔

رسم خط کا معاملہ

بیگم حامدہ حبیب اللہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ جب کہ ملا صاحب نے اپنے ایک شعر میں خیال ظاہر کیا ہے ہر پرندے کو پرواز اور ہر پھول کو کھلنے اور اپنی مہک پھیلانے کا پورا حق ملنا چاہئے اس کا اطلاق اردو زبان پر بھی ہوتا ہے۔

دوسری زبانوں کی طرح اردو کو بھی ترقی کرنے کے تمام مواقع حاصل ہونا چاہئیں۔ انھوں نے افسوس ظاہر کیا کہ اردو کو اپنی بقا و ترقی کے لئے جو سہولتیں حاصل ہونا چاہئیں وہ پوری طرح حاصل نہیں ہیں۔

جلسہ میں اردو کے سلسلہ میں دیوناگری رسم خط اپنائے جانے کا بھی کچھ لوگوں نے تذکرہ کیا۔ ملا صاحب نے اس کے متعلق کہا کہ وہ اردو کا رسم خط بدلے جانے کے مخالف ہیں۔ انھوں نے پنڈت نہرو کا ایک اقتباس پیش کرتے ہوئے کہا کہ رسم خط بدلنے سے زبان کی حیثیت اور اس کی روح بدل جاتی ہے۔ اس لئے اردو کو اس کے رسم خط کے ساتھ برقرار رکھنے کی جدوجہد کی جانی چاہئے۔

• قومی آواز

کیرالا میں اردو کورس کی کتابوں کا مسئلہ

عرض ہے کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ کیرالا میں اردو داں دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ لیکن یہ بھی سچی بات ہے کہ اردو پڑھنے اور سیکھنے کا شوق رکھنے والے بہت زیادہ ہیں۔ اردو پڑھنے کے لئے موزوں درسی کتاب ایک بھی نہیں ہے۔

اس کمی کو پورا کرنے کے لئے میں نے ایک اردو درسی کتاب لکھی ہے جو بغیر استاد کے سہارے ایک مہینے کے اندر اندر اردو سیکھ سکتا ہے اور ملیالی لوگوں کے لئے نہایت مفید ہے۔

لیکن بات تو یہ ہے کہ کیرالا میں کہیں چھپائی کے لئے اردو پریس نہیں ہے جس کی چھپائی کے لئے اردو، ملیالم دونوں حروف کے مشترکہ پریس کی ضرورت ہے۔ ہمیں تو یہ اردو ٹائپ اور ملیالم ٹائپ ملنا چاہئے۔

اس لئے آپ سے گذارش ہے کہ اگر آپ کی نظر میں مندرجہ بالا درسی کتاب چھپوانے کے واسطے اردو ملیالم پریس کہیں ہو تو براہ کرم ہمیں اطلاع دیں۔

اگر آپ کی نظر میں کہیں اس کی گنجائش نہ ہو تو از راہ کرم ہماری زبان میں ایک اعلان دے ممنون فرمادیں۔

اس درسی کتاب کے چھپنے کے بعد ایک اردو۔ ملیالم لغات بھی (Dictionary) چھپوائی جائے گی جو آدھا لاکھ الفاظ پر مشتمل ہے اور جس کی تصنیف بھی ہوچکی ہے۔

• عبداللہ ابلا

> یاد رکھئے کہ مردم شماری زبان کے صحیح اندراج کے لئے ہی نہیں بلکہ آئندہ سارے قومی منصوبوں کے لئے ضروری ہے اس کی اہمیت کو پہچانیے۔

> "ہماری زبان"
> سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (منیجر)

تبصرہ

ڈاکٹر ناصر حسین نقوی

موازنۂ انیس و دبیر — شبلی نعمانی

ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ دہلی۔
قیمت: تین روپے پچیس پیسے

موازنۂ انیس و دبیر کا شمار شبلی کی اہم اور بنیادی تصانیف میں ہوتا ہے۔ اس کتاب نے اردو میں عملی تنقید کو وسعت اور گہرائی بخشنے میں کارِ نمایاں انجام دیا ہے جس کا اعتراف ان کے ہر معتقد اور معترض نے کیا ہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ موازنہ سے پہلے حالی حیاتِ سعدی کے ذریعہ اردو ادب میں عملی تنقید کی داغ بیل ڈال چکے تھے لیکن موازنہ کی اہمیت اپنی جگہ پر یوں مسلم ہے کہ حالی اور شبلی کے تنقیدی نظریات میں جو فرق ہے وہ ان دونوں کتابوں کے تقابلی مطالعے سے واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتا ہے اور ہمارے لئے یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ حالی نے سعدی کی شخصیت اور شاعری کو اور شبلی نے انیس کی شاعری کو کیوں اپنا مرکزِ توجہ بنایا۔

قاعدہ عام یہ ہے کہ پہلے جب کوئی تعمیری یا نیا کام کیا جاتا ہے تو اس کے مخالفین زیادہ اور موافقین کم ہی ہوتے ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ہر تعمیری اور نئے کام کی وجہ سے پرانی قدروں اور اس زمانے کی مروجہ افکار و خیالات کی نفی ہوتی ہے جس کو عموماً جامد اذہان کے حامل افراد برداشت نہیں کر پاتے اور وہ اس نئے اور تعمیری کام پر تنقید کی چنگاریاں برساتے ہیں یہی سب کچھ مقدمۂ شعر و شاعری اور موازنۂ انیس و دبیر یا شعر العجم کے ساتھ بھی ہوا۔ موازنۂ انیس و دبیر کے شائع ہونے کے بعد متعدد چھوٹی بڑی کتابیں اس موضوع پر شبلی کی مخالفت میں نکلیں جس سے دو بڑے فائدے ہوئے۔ اول تو یہ کہ انیس و دبیر کی شاعری پر چھوٹی بڑی متعدد کتابوں کا اضافہ ہوا جس سے بہر حال ان کی شاعری کے مطالعے میں مدد ملی اور دوسرے یہ کہ ان کتابوں کی موجودگی کی وجہ سے موازنہ کی قدر و قیمت کا پرکھنا ہمارے لئے آسان ہو گیا۔

موازنہ پر اب تک جو اعتراضات کئے گئے ہیں وہ مختصر الفاظ میں یہ ہیں کہ:

(۱) یہ کتاب میر انیس کی شاعری کا تفصیلی جائزہ ہے اور اس میں دبیر کا ذکر تشنہ اور سرسری ہے۔
(۲) اس میں مرثیہ گوئی کی تاریخ سرسری اور مختصر ہے۔
(۳) میر انیس کے حالاتِ زندگی جمع کرنے میں شبلی نے کدو کاوش سے کام نہیں لیا۔
(۴) یہ کتاب غور و فکر سے نہیں لکھی گئی۔
(۵) ابواب کی تنظیم و ترتیب بہتر طور پر پیش نہیں کی گئی ہے۔
(۶) محض مثالوں کے ذریعہ انیس کی خصوصیات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس ضمن میں تنقیدی تجزیے سے کوئی کام نہیں لیا گیا ہے۔
(۷) اصولِ شاعری کے متعلق جو بحث کی گئی ہے وہ منطقی اور استدلالی نہیں ہے۔

ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم ان تمام اعتراضات کا ایک ایک کر کے جواب لکھیں اور معترض کی خدمت میں یہ عرض کریں کہ ان کے یہ تمام اعتراضات بے وزن ہیں لیکن تبصرہ کی تنگ دامانی سدِ راہ بن رہی ہے۔ اس لئے اس موقعہ پر ہم صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ موازنۂ انیس و دبیر ان بعض خامیوں کے باوجود اس مقام پر فائز ہے جس مقام تک بیسویں صدی کے مرثیے کے نقاد ابھی تک نہیں پہونچ سکے ہیں اگر ان حضرات کی رایوں کا عمیق نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا سارا مبلغ علم شبلی کی خوشہ چینی کا مرہونِ منت ہے۔ انیس و دبیر پر آج تک بجانے کتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں مگر کوئی ایک بھی کتاب ایسی نظر نہیں آتی جس کو موازنہ پر فوقیت دی جا سکے۔

موازنہ کا پہلا ایڈیشن شبلی مرحوم کی حیات میں آگرے سے شائع ہوا تھا جس کا سنہ طباعت ۱۹۰۷ء تھا۔ اس کے بعد سے آج تک بلا مبالغہ اس کے سیکڑوں اچھے برے ایڈیشن نکلتے اور بکتے رہے لیکن موازنہ کے کسی بھی مرتب یا جامع نے اس بات کی تکلیف گوارا نہیں کی کہ اس کے متن کی طرف توجہ دیتا اور غلط ہائے کتابت کے ستم سے اس کو بچا لیتا۔ مکتبہ جامعہ کے اس ایڈیشن کا متن ۱۹۰۷ء والے ایڈیشن کے متن کے مطابق ہے مرتب نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اصل نسخے میں اشعار کا متن متعدد جگہ مشکوک معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں کوئی تصرف نہیں کیا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ زیادہ بہتر تھا کہ فاضل مرتب کو جہاں جہاں اشعار کے متن میں شبہ تھا اس کو دو چار نسخوں کی مدد سے درست فرما لیتے اور فٹ نوٹ میں اس کی صراحت کر دیتے۔ مصنفین کی زندگی میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں ان میں بھی کتابت کی غلطیاں رہ جاتی ہیں اور ان پر بھی آنکھ بند کر کے اعتماد کرنا تحقیق کے منافی ہے۔ لیکن اس کے باوجود مکتبہ جامعہ کا یہ ایڈیشن بالغنیمت ہے کیونکہ یہ بڑے اہتمام اور حسنِ انتظام سے اربابِ علم کے سامنے پیش کیا گیا ہے جو دیگر اداروں کے لئے بھی قابلِ تقلید ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ و پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔اے نے لیتھو کلر پریس علی گڑھ میں چھپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا
REGD. NO. L. 922 فون نمبر ۲۹ R. NO. 2186/57